شرفِ انسانیت اور مسئولیت۔ تجزیاتی بحث

*پروفیسر ڈاکٹر مس نسیم سحر صمد

Human being is the caliph of Allah almighty. Allah, the creator of Human being, has granted all humans The power of knowledge, power of will & power of doing action according to his will. The respect & honor given by God to human being also results to put some burdon of obligations on the shoulders of the Human being. This article analytically deals with the human honour and value in the cosmos and his responsibilits and duties as well.

کائناتِ ارض و سماء میں ہر مخلوق کا دائرہ کار، اس کا کردار اور عمل بظاہر اپنی اپنی منفرد نوعیت کا حامل محسوس ہوتا ہے لیکن اگر حقیقت پر نگاہ ڈالی جائے تو ایک وسیع و عریض، آفاقی اور باہم مربوط و منظم نظام کائنات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ تمام مخلوقات اس ہمہ گیر نظامِ عالم کی مختلف کڑیاں ہیں جو اِفادہ و اِشتراک کے مربوط و منظم سلسلہ میں جڑی ہوئی ہیں۔ افادی تعلق، اطاعت اور اثر پذیری کی خصوصیات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام پہلوؤں کو اپنے مخصوص اُسلوبِ بیان میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اس حقیقت کو بھی آشکار کیا ہے کہ دینِ اسلام ایک ہمہ گیر نظامِ اطاعت ہے جس کے زیرِ اثر ممکناتِ حیات اُجاگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ فکر کا ایک ایسا بحرِ بے کراں جس میں زندگی ہی زندگی موجزن ہے، کائناتی دستورِ حیات ہے اور عالمِ کون و مکاں کا کوئی گوشہ تصرفِ الٰہیہ سے باہر نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وفی الأرض ایٰت للموقنین ٥ و فی أنفسکم افلا تبصرون ٥ و فی السّمآءِ رزقکم و ما توعدون ٥ فوربّ السمآء و الأرض إنه لحق مثل مآ أنکم تنطقون﴾(1)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی قدرت وتوحیدِ الٰہیہ کی صراحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ عالمِ ارضی میں پہاڑ،

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

وادیاں، معدنیات، چشمے، دریا اور سمندر، نباتات و حیوانات اور انسان، جن میں زبانوں اور رنگوں کا، فکری اور جسمانی فرق موجود ہے، پر مشتمل مختلف انواع اللہ تعالیٰ کی صناعی کے بہترین نمونے ہیں۔ یہ سب اُمور خالقِ حقیقی کی عظمت اور قدرتِ باھرۃ کی واضح نشانیاں ہیں۔ اللہ پر یقین رکھنے والے ہی ان کا اِعتراف کرتے، اس کے مختلف پہلوؤں پر تدبر کرتے ہوئے اُن سے نفع اندوز ہوتے ہیں۔ وہ نفوسِ انسانی کی تخلیق، نظامِ ہضم، دورانِ خون و نظامِ تنفس کے علاوہ اعصابی حسیات، قوتِ لامسہ و ذائقہ وغیرہ پر تفصیلاً روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

أفلا تنظرون نظرة متأمل معتبر ، ناظر بعين البصيرة، ففي تركيب الجسم بأجهزته المختلفة من جهاز هضم و دم و تنفس، و إحساس في الأعصاب و لمس و ذوق ، و في تركيب الدماغ و ما يشتمل عليه من عشرات ملايين الخلايا، في ذلک دلالة على الخالق المبدع.(2)

اس آیۃ کریمہ کے مطابق اللہ عزّ وجلّ کی ذات باری تعالیٰ نہ صرف بدیع السمٰوات والارض ہے بلکہ اپنی مخلوق بشری کے لوازماتِ حیات اور ترسیلِ رزق کی ضمانت دینے والی ہے۔ چنانچہ سماوی عوامل رزق میں شمس وقمر اور ستاروں کا طلوع وغروب، مختلف النوع نباتات کیلئے آسمانی بارش سے روئیدگی، سورج کی حرارت سے غذا اور چاند کی ضیاء پاشیوں سے قوت ونمو حاصل کرتے ہوئے انسان کی بقائے حیات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ تمام اُمور ایسے حقائق پر مبنی ہیں جن میں صاحبِ ایمان متقی اَفراد کیلئے کسی شک کی گنجائش نہیں۔

یہ عالم کون و مکان جو رزق کی مختلف النوع صورتوں سے مزیّن نوعِ بشری کیلئے تخلیق کیا گیا، میں اِنسان کے مقام ومرتبہ کی نشاندہی کی گئی۔ چنانچہ شرفِ انسانیت وہ خصوصیت ہے جو اس کرۂ ارض پر ھبوطِ آدمؑ سے پہلے ہی طے شدہ تھا۔ نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اعزازِ تکریم سے مالا مال کیا۔ اسی بناء پر ھبوطِ ارضی کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کے عنوان سے ھدایتِ الٰہیہ کے سلسلے کا بھی آغاز ہوا، تاکہ انسان اِبلیسی اور طاغوتی قوتوں کے ہتھکنڈوں کا شکار نہ ہونے پائے۔ سرکشی کے راستے پر چل کر اِنسان کو دنیاوی و اُخروی ناکامی اور خسرانِ مبین کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بالعکس نوعِ بشر کیلئے روشن صراطِ مستقیم اپنے تمام لوازمات سمیت واضح ہو جو انسان کو حقیقی فوز وفلاح سے ہمکنار کردے چنانچہ شرف وتکریم انسانیت کی نشاندہی فرمائی گئی۔

تخلیقِ آدمؑ کے حوالے سے قرآن حکیم کے بیانات سے یہ اَمر واضح ہوتا ہے کہ اللہ عزّ وجلّ کی ذات

بدیع ہے اور وہ معدومات وموجودات کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ کسی اُمر کا محتاج نہیں بلکہ تمام تر مخلوقات کی احتیاجات کو اللہ تبارک وتعالیٰ پورا کرتا ہے اور اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ حضرت آدمؑ کا بشری قالب، حضرت اماں حوّاؑ کی تخلیق، ھبوطِ ارضی اور ابوالبشر آدمؑ سے ان کی اولاد کا سلسلہ رواں ہونا، مشیتِ الٰہیہ کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس ضمن میں غیر مسلم مفکرین کا نظریہ ارتقاء یا اس کی تائیدی کوششوں میں مسلمان مفکرین کی ہم نوائی دور از کار تاویلات ہی ہیں جبکہ قرآن حکیم کے بیان کردہ حقائق اور وضاحتیں نہ صرف مدلّل ہیں بلکہ معلوم تاریخی شواہد میں سے کوئی بھی اس کی نفی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مختلف اوصاف اور خوبیوں سے مزین کیا جو اختصاصِ خلافت وشرفِ انسانیت کا اقتضاء بھی تھا اور اس کی اہلیت وقابلیت کا اثبات بھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدمؑ اور ان کی نوعِ انسانی میں طبعی طور پر ودیعت شدہ جن اُوصاف ومحاسن کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں بیان فرمایا ہے ان کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور فضیلت و تکریمِ انسانیت کے اقتضاءات کو کما حقہٗ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ قولِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أیحسب الإنسان ان یترک سدی ﴾(3) کے مطابق انسان یہ گمان نہ کرے کہ اسے دنیا میں بے معنی پیدا کر دیا گیا۔ نہ اس کیلئے اوامر ونواہی کا سلسلہ ہے اور نہ ہی اس کو معاملات کا مکلّف اور پابند بنایا گیا اور نہ ہی اس کو اپنے کیے ہوئے اعمال کیلئے آخرت میں کسی حساب کتاب کے عمل سے گزرنا ہے۔ ایسا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عدل وحکمتوں کے تقاضوں کے خلاف تھا۔ اللہ عزّ وجلّ نے انسان کو عدیم المثال بنایا اور اُحسن صورت کے سانچے میں ڈھالا۔ اسے یہ ترغیب دلائی کہ وہ حیوانی جبلتوں کے مجموعہ اور مغلوبُ الشہوات حیوان کی حیثیت سے ظاہر نہ ہو بلکہ ایک ایسی مخلوق کے طور پر حیاۃُ الدنیا کو گزارے جو دوسری مخلوقات کے بالمقابل تفوق وبرتری کے اس اِعزاز کا کما حقہٗ اہل ہونے کا اثبات کر سکے جس سے اسے سرفراز کیا گیا تھا۔ اولادِ آدمؑ کیلئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ 'ادائیگیٔ امانۃ اور دینِ قیّم' کے اِتباع کو ممکن بنائے تاکہ یہ اس کے شرف وتکریم اور فضیلت پر دلالت کرے۔

اثباتِ توحید اور کفر وشرک سے اجتناب

مقامِ شرف وتکریمِ انسانیت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے جب ہم دینِ قیّم کے اِتباع کی اہمیت پر زور دیتے ہیں تو یہ تصوّرِ توحید کی حقّانیت کے اِعتراف اور شرک سے اِجتناب کے مرکز ومحور سے وابستہ ہے۔ اِجتماعی عمرانیاتی تعلقات کے قیام کے لیے بھی جو اوّلین بنیاد دینِ اسلام نے مہیا کی وہ توحید کا اقرار، عبادت

ِ معبودِ حقیقی اور شرک سے اجتناب پر مبنی ہے۔ یہی وہ اُساس ہے جو صالح معاشرت کے قیام کی خشتِ اول ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿و اعبدوا الله و لا تشرکوا به شیئاً﴾(4)

﴿إن الله لا یغفر ان یشرک بہ ج و یغفر ما دون ذلک لمن یشآء ط و من یشرک بالله فقد ضل ضلالاً م بعیداً﴾(5)

آیاتِ مذکورہ بالا میں بنی نوعِ انسان کو باور کرایا گیا کہ مجموعی اعتبار سے نیکی اور بھلائی کی وہ اُقدار جو معاشرہ یا جمیعتِ انسانی کی صلاح و فلاح کے لیے ملحوظ رکھنی لازم ہیں۔ ان میں سے اول اور اہم ترین اقرارِ توحید اور عبادتِ الٰہیہ قرار دی گئی ہے۔ جو وحدہ، لاشریک خالقِ حقیقی پر اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کسی دوسرے کو شریک بنانے کی ممانعت انہی آیاتِ مذکورہ میں وارد ہے۔ عقیدۂ توحید کے اِقرار اور اس پر پختہ اِیمان کو صالح انسانی جمعیت کے قیام کے ساتھ لازم وملزوم کی حیثیت سے بیان کیا گیا اور اس کی روحِ رواں خیال کیا گیا۔ قرآنِ حکیم میں انسان کو برے انجام اور غیر صحت مند آثار کے حوالے سے دو باتوں، شرک اور شیطان کی نشاندہی کرتے ہوئے ان سے بچنے کی تلقین کی۔ امام البیضاوی شرک سے 'بت وغیرہ یا کوئی ایسی چیز جو جلی یا خفی شرک کی نشاندہی کرے' مراد لیتے ہیں۔(6)

علاوہ ازیں امام البیضاوی شرک کو گمراہی کی عظیم صورتوں میں سے ایک قرار دیتے ہیں جو حق اور استقامت سے بہت دور ہے۔(7)

ارشادِ باری تعالیٰ ﴿ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت أیدی الناس﴾ کی وضاحت میں علامہ القرطبی نے قتادہ اور السدی کے حوالے سے فساد سے مراد شرک لیا ہے جو سب سے بڑا فساد ہے جیسا کہ وہ نقل کرتے ہیں 'الفساد الشرک، وهو أعظم الفساد' (8) اِمام اِبن کثیر نے بھی آیتِ کریمہ مذکورہ میں فساد سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے پھلوں اور کھیتیوں میں نقصان مراد لیا ہے جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں۔

اي بأن النقص فی الزروع و الثمار بسبب المعاصی. وقال أبو العالیة : من عصی الله فی الأرض فقد أفسد في الأرض، لأن صلاح الأرض و السماء بالطاعة.(9)

گویا اس کرۂ ارض پر انسان کے قیام کا مقصد اطاعتِ الٰہیہ ہے جس کا اظہار، اقرارِ توحید اور اس کے

لوازمات کی تکمیل کے ساتھ وابستہ ہے۔ جبکہ اس سے روگردانی شرک اور کفر کے رویوں کی پیروی ہے۔ جو سراسر معصیت ہے، یہ شر اور فساد کو فروغ دینے کا باعث بنتی ہے اور اسی لیے اس کو ظلم عظیم بھی کہا گیا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہر طرح سے اَنداد واَضداد، بیوی اور اولاد سے منزّہ اور پاک ہے۔ شرک سے اجتناب کے ساتھ ہی عبادتِ الٰہیہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے انسان اور انسانی اجتماعیت کی فلاح کا باعث قرار دیا گیا۔ امام ابن تیمیہ عبادت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

العبادة اسم جامع لكل ما يحبه الله و يرضاه من الأقوال و الأعمال الظاهرة والباطنة .(10)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی عبادت کے تصور پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والعبادة: هي الخضوع التّام لله ، مع إشعار القلب بتعظيم الله و إجلاله في السر و العلن، و الخشية منه وحده، و تكون عبادة الله بفعل ما أمر الله به و ترك ما نهى عنه، سواء في الشؤون القلبية كالحسدو الحقد، أو في ممارسة الأعضاء بعض الأفعال، والأمر أولاً بعبادة الله لأ نها مصدر الإلهام بكل خير و ترك كل شر ، والإقدام على الفضائل.(11)

عقیدۂ توحید کے اِیجابی پہلو کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق کے اعتبار سے واحد و یکتا مانا جائے اور سلبی پہلو کے اعتبار سے بھی اس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک نہ تسلیم کیا جائے۔ اِقرارِ توحید اور ابطالِ شرک درحقیقت انسان کے اعزاز وتکریم کو پختہ تر کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جب اس وحدہٗ لاشریک معبودِ حقیقی کی عبادت کا التزام کیا جاتا ہے تو گویا نوعِ انسانی کو دوسری مخلوقات جو اس سے کم تر ہیں کے آگے جھکنے کی ذلت و درماندگی سے بچا لیا گیا۔ شرک روح کے انتہائی فساد* عقل کی گمراہی اور اس دنیا میں اہم ترین اُمر ایمان باللہ سے اِنحراف پر مبنی ہے۔ یہ کفر، ظلم اور جمیع مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اِنحراف کا نام ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ عزّ وجلّ شرک کے جرم کو اُصولی اِعتبار سے معاف نہیں فرمائے گا۔ پس اگر کوئی شخص قولی یا فعلی یا کسی اور جہت سے یا تقدیس کے اظہار میں شرک باللہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ رشد و ہدایت اور خیر سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام اولادِ آدمؑ کو بلا استثناء فطرتِ سلیمہ پر تخلیق کیا۔ عالمِ ارواح میں عقل و

اِدراک سے متصف تمام ارواح انسانی سے لیے جانے والے عہد سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ ہی ان سب کا رب ہے، جو وحدہ لاشریک، خالق اور پروردگار ہے۔ تمام اَرواح انسانی نے ربوبیت الٰہیہ کے اِقرار و اِلتزام کا وعدہ کیا پس اگر عالم دنیا میں کوئی انسان اس شہادت کی نفی کرتے ہوئے اللہ وحدہ لاشریک کا کفر کرتا ہے یا کسی دوسرے کو معبود کے طور پر شریک بنالیتا ہے تو یہ واضح ظلم اور 'عہد اَلست' سے بیّن انحراف ہے۔ جس کی نہ صرف جوابدہی بڑی سخت ہے بلکہ یہ شرف و تکریم کے استحقاق اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھنے میں اَمرِ مانع بن جاتا ہے۔ وجود الٰہی اور اس کی وحدانیت کے اقرار کی فطرت پر اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی تخلیق فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

﴿فاقم وجهك للدين حنيفا ج فطرت الله التى فطر الناس عليها ج لاتبديل لخلق الله ج ذلك الدين القيّم﴾(12)

امام البیضاوی (م: 691ھ) نے اس کی وضاحت میں تحریر فرمایا ہے:

خلقهم عليها و هي قبولهم للحق و تمكنهم من ادراكه، أو ملة الإسلام فانهم لو خلوا و ماخلقوا عليه أدى بهم إليها، وقيل العهد المأخوذ من آدم و ذريته. ﴿لاتبديل لخلق الله﴾ لايقدر أحد أن يغيره أوما ينبغي أن يغير. (13)

اس لیے اسی دینِ فطرت اور دینِ حنیف کی طرف یکسوئی اختیار کرنے کی تلقین عمرانیاتی ہیئت کی صلاح وفلاح کو تقویت پہنچاتی ہے اور فرد کو بھی عزّ و افتخار کے ساتھ جینے کا موقع دیتی ہے۔ حضرت عیاض بن حمارؓ نے حضور ﷺ سے حدیثِ قدسی روایت کی ہے:

"ألا... ، و إني خلقتُ عبادي حنفاء كلهم، و إنّهم اتتهم الشياطين، فاجتالتهم عن دينهم، و حرمت عليهم ما أحللت لهم و أمرتهم أن يشركوا بي ما لم أنزل به سلطاناً "(14)

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت بھی اس حقیقت کی عکاس ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" ما من مولود إلا يولد على الفطرة ، فأبواه يهوّدانه أو ينصّرانه أو يمجّسانه، كماتنتج البهيمةُ بهيمةً جمعاءَ هل تحسون فيها من جدعاءَ "(15)

اس تناظر میں یہ حقیقت بھی منکشف ہوجاتی ہے کہ اقرارِ توحید قدیم ہے اور اس کی شہادت سب انسانوں کی فطرت کا حصہ ہے۔ جبکہ شرک جدید ہے۔ آباء و اجداد کی تقلید کی کسی بھی توجیہ کو اس کے دفاع کیلئے

استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا عند اللہ کوئی عذر قبول نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ حیاۃُ الآخرۃ میں فلاح ونجات حاصل کرنے کیلئے حیاۃُ الدنیا میں عالمِ ارواح کے میثاقِ توحید پر کاربند رہنا اور شرک کی ہر جلی اور خفی صورت سے مجتنب رہنا لازم اور ضروری ہے۔ منصبِ شرف وتکریم کے ان اقتضاءات کی تکمیل اسی بنیادی تعلیم کے ساتھ وابستہ ہے۔ عبد اور مخلوقات میں سے اُحسن ترین مخلوق ہونے کے ناطے وحدہٗ لاشریک معبودِ حقیقی کی رضا اور خوشنودی کا حصول تخلیقِ انسانیت کا بھی مقصود ہے۔ عبادت اِلٰہیہ کا وہ تصور متعارف کروایا گیا جو انسان کو ہر دم اللہ کے قرب وموجودگی سے متنبہ اور آگاہ رکھے۔ مشہور حدیث جبرئیلؑ میں حضور نبی کریم ﷺ نے اِحسان کی وضاحت میں فرمایا:

"قال : ما الإحسان ؟ قال : أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك"(16)

کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے پس اگر ایسا نہ ہو تو بے شک وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

قولِ باری تعالیٰ ﴿قل إنّ صلاتي و نسكي و محياي و مماتي لله ربّ العالمين﴾(17) کے مطابق انسان کی نماز، قربانی، جینا اور مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔ تو یہ پہلو صاحبِ ایمان کی حیثیت سے اس کی پوری زندگی کو اطاعت واتباعِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے جو اصل مقصود ومطلوب ہے۔ جس کے نتیجے میں حق اور اہلِ حق مؤدت ومحبت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ جبکہ کفر و شرک اور اہل کفر وشرک کے ساتھ موانست کا تعلق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صاحبِ اِیمان افراد کو اس اُمر سے اجتناب کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے ساتھ دوستی اور قربت کے تعلقات قائم نہ کریں کیونکہ اہلِ کفر وشرک ہمیشہ ان کیلئے برائی اور شر کو ہی پسند کریں گے۔ اس میں ایک اور مصلحت یہ بھی کارفرما دکھائی دیتی ہے کہ وحدتِ امت اور اس کی مصلحتوں کی رعایت مدنظر رکھنے کی ترغیب بھی دی گئی۔ توحید سے تمسک اور شرک سے اجتناب کے ساتھ ہی موالات کیلئے ان رویوں کی نشاندہی درحقیقت عمرانیاتی ہئیت کے اندر داخلی اور خارجی حکمتِ عملی کی بنیادوں کی نشاندہی بھی کرتی ہے، جن سے مسلمان قوم صرفِ نظر نہیں کرسکتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان رویوں کو دو عنوانات 'حزبُ الشیطان اور حزبُ اللہ' کے تحت زیر بحث لائے۔

﴿إستحوذ عليهم الشيطان فانسٰهم ذكر الله ط أولٰئك حزب الشيطن ط ألا

إنّ حزب الشیطن هم الخٰسرون﴾(18)

آیتِ مذکورہ بالا میں اس گروہ انسانی کی طرف اشارہ ہے جن پر شیطان مسلط ہوگیا اور ان کی عقل وخرد پر شیطانی غلبہ کی وجہ سے اللہ کی یاد اُن کے دلوں سے محو ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور ان پر عمل کو ترک کر کے شیطان کی گمراہی والا راستہ اختیار کرلیا اور شیطان کے پیروکار بن گئے۔ ایسے پیروکار جو خسارہ پانے والے اور ہلاکت کا شکار ہونے والے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہدایت کی بجائے نافرمانی کا راستہ اختیار کرلیا اور جنت کی نعمتوں کے بدلے جہنم کی آگ کے سزاوار ہوگئے۔ اسی بناء پر ان کو حزبُ الشیطان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھی، اللہ کے اَوامر ونواہی کی مخالفت کی تو ایسے ہی لوگوں کو اللہ عزّ وجلّ ذلت و اہانت سے دوچار کرے گا۔ اللہ کا اَزل سے یہ فیصلہ ہے کہ وہ اور اس کے رسول حجت ودلیل کے ساتھ غالب رہیں گے اور اِسلام پھیل کر رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کی نصرت وحمایت پر قدرت رکھنے والا اور اس کے دشمنوں پر غلبہ پانے کی طاقت رکھتا ہے۔(19)

اس گروہ کے بالمقابل وہ لوگ جو صاحبِ ایمان ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دشمنوں سے محبت نہیں رکھتے خواہ وہ ان کے آباء، بیٹے، بھائی، رشتہ دار، قرابت والے یا قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ قلبِ مؤمن میں اللہ تعالیٰ پر خالص ایمانِ کامل اور کفار کے ساتھ محبت والفت اکٹھی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ دو متضاد کیفیتوں کا جمع ہونا ہے۔ چنانچہ حزبُ اللہ میں شامل خالص صاحبِ ایمان لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ محبت سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں ایمانِ صحیح کو غالب کر دیتا ہے۔ ان کو اپنی نصرت وحمایت سے طاقت ور بنا دیتا ہے اور ان کے قلوب ونفوس پر طمانیت نازل کرتا ہے، ان کو جنت کا سزاوار بناتا ہے۔ جہاں محلوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اعمال کو قبولیت کے اعزاز سے سرفراز کرتا ہے اور وہ اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی خوش رہتے ہیں۔ حزبُ اللہ میں شامل یہ صاحبِ ایمان حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے مددگار اور ایسے لشکر بن جاتے ہیں جو اس کے اَوامر واَحکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور دشمنانِ دینِ حق سے نبرد آزما رہتے ہیں اور باہم گروہِ مومنین کی معاونت بھی کرتے ہیں۔ یہی دینِ حق کے پیروکار حزبُ اللہ میں شامل لوگ فوز و فلاح، جنت کی نعمتوں اور سعادتِ ابدی کے حصول میں کامیاب ہوں گے۔(20)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی نے ﴿و من یتولّ اللہ و رسولہ و الذین اٰمنوا فإن حزب اللہ هم

الغلبون﴾(21) کی وضاحت میں اُن کے چھ اوصاف کی نشاندہی کی ہے۔

1۔ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے۔یعنی ان کی اطاعت پر بہترین ثواب دیتا ہے اور ان سے راضی رہتا ہے۔

2۔ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں جس کا ثبوت اللہ کے احکامات میں ان کا اتباع اور اس کے منہیات میں ان کا مجتنب رہنا شامل ہے۔

3۔ وہ صاحبِ ایمان لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

4۔ وہ اصحابِ کفر کے بالمقابل صاحب عزت اور ان کے ساتھ کفر کے رویوں کی وجہ سے عداوت کرنے والے ہوتے ہیں۔

5۔ وہ کلمۂ الحق اور اس کے دین کی سربلندی کیلئے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ وہ حق، خیر، فضیلت اور توحیدِ الٰہی کی نصرت وحمایت میں مصروف رہتے ہیں۔شہروں، گھروں، ان کے رہنے والوں اور علاقوں کا دفاع کرتے ہیں۔

6۔ وہ راہِ حق میں اعتراض وتنقید کرنے والوں کی پروانہیں کرتے اور اپنے دین میں صلابتِ رائے پر مستقل مزاج ہوتے ہیں۔وہ حق کے اثبات اور باطل کے ابطال کیلئے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔

ان چھ صفات کے حامل مخلص صاحبِ ایمان 'حزب اللہ' کو ہی اللہ تعالیٰ غلبہ کی نوید وبشارت دیتا ہے۔ جو شرف وتکریم کے اقتضاءات پورے کرتے ہیں، اس کی ذمہ داریوں کی تکمیل کرتے ہیں انہی پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل واحسان اور نعمتیں نچھاور کرتا ہے۔اسلامی عمرانیاتی ہئیت میں یہ کیفیت اجتماعی صلاح وفلاح کی راہیں ہموار کرتی ہے۔نظریاتی ہم آہنگی کا فروغ واستحکام ممکن ہو پاتا ہے۔اللہ اور اس کے رسول کی نصرت وتائید سے مسلمان اجتماعیت کو اُوامرِ الٰہی پر عمل اور نواہی سے اجتناب اور اعمال صالحہ کی رغبت کی بنا پر وہ پاکیزہ فضا میسر آتی ہے جو فسق وفجور، معاصی اور فواحش سے مبرّا ہوتی ہے اور تکریم انسانیت کے تقاضوں کو بدرجہ اُولیٰ پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔(22)

انسانوں کے مابین تعلق میں حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطٰن کی نشاندہی سے باہمی تفریق کی وہ تمام وجوہات بے معنی ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے انسانیت اَن مٹ اور نہ ختم ہونے والے تفرقات میں منقسم ہو جاتی ہے۔پروفیسر خورشید احمد اسلامی فلسفۂ حیات کی خصوصیت کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں اس

نظریے کی رُو سے تمام رُوئے زمین خدا کی ملک ہے، تمام انسان آدم کی اولاد اور خدا کے بندے ہیں، اور فضیلت کی بنیاد نسل ونسب، مال و دولت یا رنگ کی سپیدی و سرخی پر نہیں بلکہ اُخلاق کی پاکیزگی اور خدا کے خوف پر ہے۔ جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور صلاح وتقویٰ پر عمل کرنے والا ہے وہی سب سے اَفضل ہے۔ اس طرح انسان اور انسان کے درمیان اِجتماعی ربط وتعلق یا فرق اور اِمتیاز کی بِناء بھی اس نظریے میں کلیتًا تبدیل کر دی گئی ہے۔ انسان نے اپنی اِیجاد سے جن چیزوں کو اِجتماع و اِفتراق کی بِناء ٹھہرایا ہے وہ انسانیت کو بے شمار حصوں میں تقسیم کرتی ہیں اور ان حصوں کے درمیان نا قابل عبور دیواریں کھڑی کر دیتی ہیں۔ کیونکہ نسل، یا وطن، یا قومیت یا رنگ وہ چیزیں نہیں ہیں جن کو آدمی تبدیل کر سکتا ہو اور ایک گروہ میں سے دوسرے گروہ میں جا سکتا ہو۔ برعکس اِس کے یہ نظریہ انسان اور انسان کے درمیان اِجتماع و اِفتراق کی بِناء، خدا کی بندگی اور اس کے قانون کی پیروی پر رکھتا ہے۔ جو لوگ مخلوقات کی بندگی چھوڑ کر خدا کی بندگی اِختیار کر لیں اور خدا کے قانون کو اپنی زندگی کا واحد قانون تسلیم کر لیں وہ سب ایک جماعت ہیں اور جو ایسا نہ کریں وہ دوسری جماعت۔ اس طرح تمام اختلافات مٹ کر صرف ایک اِختلاف باقی رہ جاتا ہے اور وہ اِختلاف بھی قابل غور ہے کیونکہ ہر وقت ایک شخص کیلئے ممکن ہے کہ اپنا عقیدہ اور طرز زندگی بدل دے اور ایک جماعت سے دوسری جماعت میں چلا جائے۔ اس طرح اگر دنیا میں کوئی عالمگیر بین الاقوامی برادری بنی ممکن ہے تو وہ اسی نظریے پر بن سکتی ہے، دوسرے تمام نظریات انسانیت کو پھاڑنے والے ہیں، جمع کرنے والے نہیں ہیں۔(23)

اَمانت وخلافت

قرآنِ حکیم اہل اِیمان کیلئے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرنے والے اُمور و اُحکامات کا خزانہ ہے۔ وہ اِنسان کو ہر حرام کام سے اِجتناب کی تلقین فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر عمل درآمد کرنے اور اپنی زندگی میں اُوامر کے اِلتزام اور نواہی سے اِجتناب کی اہمیت پر زور دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ کرہ اُرض پر انسان کو مکلّف بنا کر بھیجا گیا ہے اور خلافت کو بطور اَمانت اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

الأمانة: الفرائض التي إفترضها الله على العباد(24)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہی ایک قول کے مطابق:

الطاعة عرضها عليها قبل أن يعرضها على آدم ، فلم تطقها، فهل أنت آخذها

بـمـا فيها ؟ فقال : يا ربّ : وما فيها؟ قال: إن أحسنت جُزيت، وإن أسات عُوقبت ، فأخذها آدم فتحملها.(25)

اس کے اِستدلال میں اللہ تعالیٰ کا قولِ جلیلہ موجود ہے:

﴿إنا عـرضـنـا الأمـانة عـلى السمٰوٰت و الأرض و الجبا ل فأبين أن يحملنها و أشفقن منها و حملها الإنسان إنه كان ظلوماً جهو لا﴾(26)

ابنِ آدم پر اللہ تعالیٰ نے اَمانت کی ذمہ داری ڈالی تو اسے اِطاعت اور وفا کے ساتھ مشروط کر دیا اور انہی میں سے انبیاء ورسل بھیجے جن میں سے آخری نبی ہمارے رسولِ کریم حضرت محمد ﷺ ہیں جن کو کلامِ الٰہی قرآنِ کریم کی صورت میں عطا فرمایا گیا اور سنتِ نبوی کے پیرائے میں قرآن کے اُوامر ونواہی کی عملی تعلیم مرحمت فرمائی گئی اور اس کو انسان پر حجت ٹھہرایا گیا الغرض اب قرآن حکیم کے اَحکام کے اِتباع میں منصب خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل لازم قرار دی گئی اور یہی وہ تصور ہے جو خلافت کے تصورِ امانت کے وظائف کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

امام ابن جریر الطبري نے اس ضمن میں حکم بن عمرو جو اصحاب النبی ﷺ میں سے تھے روایت کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

إن الأمـانة و الـوفـاء نـزلا على ابن آدم مع الأنبياء ، فأرسلوا به ، فمنهم رسول الله، و مـنهـم نبـيّ ، و مـنهم نبيّ رسول نزل القرآن و هو كلام الله و نزلت العربية و الـعـجمية ، فعلموا أمر القرآن ، و علموا ، أمر السنن بألسنتهم ، ولم يدع الله شيئاً مـن أمره مـمـا يأتون و مما يجتنبون ، وهي الحجج عليهم إلا بيّنه لهم، فليس أهل لسـان إلا وهـم يـعرفون الحسن من القبيح. ثم الأمانة أوّل شي يرفع، و يبقى أثرها في جـذور قـلـوب الـنـاس، ثم يُرفع الوفاء والعهد والذمم، و تبقى الكتب ، فعالم يـعـمـل، وجاهل يعرفها و ينكرها حتى وصل إلي و إلى أمتي فلا يهلك على الله الا هـالـك، ولا يـغفله إلا تارك ، والحذر أيها الناس، وإياكم والوسواس الخناس، و إنما يبلوكم أيكم أحسن عملا.(27)

امام البیضاوی نے بھی 'الامانۃ' کی توجیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کو امانت سے موسوم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی ادائیگی لازم ہے۔

تقرير للوعد السابق بتعظيم الطاعة، و سماها امانته من حيث إنها واجبة الأداء،

و المعنى أنها لعظمة شأنها بحيث لو عرضت على هذه الأجرام العظام و كانت ذات شعور و إدراك لأبين ان يحملنها ، و اشفقن منها و حملها الإنسان مع ضعف بنيته و رخاوة قوته لاجرم فاز الراعي لها و القائم بحقوقها بخير الدارين.(28)

یعنی بے شک اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اس حیثیت سے کہ اگر اس کو بڑے بڑے اَجرامِ فلکی پر پیش کیا جاتا اور وہ شعور و اِدراک والے ہوتے تو وہ ضرور بالضرور اس کو اٹھانے سے انکار کر دیتے اور اس سے ڈر جاتے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، باوجود اپنی کمزور بناوٹ اور اپنی کمزور قوت کے۔ بلاشبہ وہ جس نے اس (امانت) کا لحاظ رکھا، اور اس کے حقوق کی ادائیگی کیلئے کھڑا ہوا وہ دونوں جہاں کی بھلائی پانے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں:

وقيل إنه تعالىٰ لما خلق هذه الأجرام خلق فيها فهما و قال لها: إني فرضت فريضة و خلقت جنة لمن أطاعني فيها و ناراً لمن عصاني، فقلن نحن مسخرات على ما خلقتنا لانحتمل فريضة و لا نبتغي ثواباً و لا عقاباً ، ولما خلق آدم عرض عليه مثل ذلك فحمله، و كان ظلوماً لنفسه بتحمله مايشق عليها جهولا بوخامة عاقبته، و لعل المراد ب﴿الامانة﴾ العقل أو التكليف.(29)

اور کہا گیا کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے یہ تمام اجرام فلکی پیدا کیے۔ تو ان میں فہم بھی پیدا کیا اور ان سے کہا: بے شک میں ایک ذمہ داری لگانے والا ہوں اور میں نے جنت بنائی ہے اس کیلئے جو میری اطاعت کرے گا اور آگ بنائی ہے جو میری نافرمانی کرے گا، پس انہوں نے کہا: بے شک آپ نے ہمیں جس چیز پر پیدا کیا ہے، ہم تو اسی کیلئے مسخر (کام کرنے والے) ہیں۔ ہم کسی ذمہ داری کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اور نہ ہی ہم کوئی جزا و سزا چاہتے ہیں اور جب اس نے آدمؑ کو تخلیق کیا۔ اس پر اسی طرح پیش کیا تو اس نے اس کو اٹھالیا اور وہ اپنے نفس پر، اس چیز کو اٹھانے سے جو اس پر گراں گزرتی ہے، ظلم کرنے والا تھا، اور اپنی عاقبت کے خراب ہونے سے لاعلم تھا اور ہوسکتا ہے کہ شاید 'امانت' سے مراد عقل یا مکلّف ٹھہرنا ہے۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کے مطابق انسان کو جن اُمور کا مکلّف بنایا گیا ان کی مسئولیت بہت حساس اور وزنی معاملہ ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

فقد عرض الله الا مانة، أيّ التكاليف الإلهية كلها من فرائض و طاعات و

منهيات على أرجاء السماوات والأرض، فأعرضت عن حمل مسؤوليتها، خوفاً من حملها، و تحملها الإنسان مع ضعفه، و لكنه لم يقدر ذلك الحمل، فكان ظلوماً لنفسه، جهولاً بقدر مايحمله.(30)

ان کے مطابق انسان سے ابنِ آدمؑ مراد ہیں۔ جیسا کہ ابن عباسؓ، الضحاک وغیرہ کا قول ہے، اور انسان کو شرعی اعتبار سے جن اُمور کا مکلّف بنادیا گیا وہ امانت کے مفہوم میں ہی شامل ہے۔ اُمر ونہی، فرائض و واجبات، قابلِ اطاعت احکامات اور تمام منع کردہ اُمور سے اجتناب گویا کل شریعت اس کے حکم میں داخل ہے۔ اسی امانت کی ادائیگی یعنی اُمورِ شرعیہ کی عملی موافقت، تسلیم و رضا کے رویّوں پر مبنی اطاعت گزاروں کو سامنے لاتی ہے اور دوسری طرف امانت میں خیانت یعنی انبیاء و رسل کی تکذیب، عہد کی خلاف ورزی پر مبنی کفر و شرک اور منافقت کے رویوں کو سامنے لاتی ہے اور انسانوں سے انہی امور کے بارے میں جوابدہی ہوگی جو انہوں نے سرزد کیے۔ انسان کو جن شرعی امور کی پابندی کا مکلّف ٹھہرایا گیا اس کی مسئولیت سے ہی جزا و سزا کا عمل ملحق ہے جس میں جنت کی نعمتیں اور جہنم کی صعوبتیں شامل ہیں۔

امام الطبری نے حضرت قتادہؓ سے روایت کرتے ہوئے 'الامانۃ' سے مراد: الدین والفرائض والحدود لی ہیں۔(31) خلافتِ ارضی وہ اہم ذمہ داری ہے جو ابوالبشر حضرت آدمؑ کی تخلیق کا مقصد قرار دی گئی اور اسی خلافت کا تسلسل اولادِ آدمؑ میں جاری رہا اور امانت کے حوالے سے مختلف ذمہ داریوں کی ادائیگی ان کیلئے لازم قرار پائی۔

﴿وهو الذي جعلكم خلائف الأرض و رفع بعضكم فوق بعض درجت ليبلوكم في ما اٰتكم إن ربّك سريع العقاب و إنه لغفور رحيم﴾(32)

آیتِ کریمہ مذکورہ میں لفظ خلائف استعمال ہوا ہے جو خلیفہ کی جمع ہے۔ یہ بوزن مفاعل ہے، جیسے کریمۃ کی جمع کرائم بیان کی جاتی ہے۔ منصبِ خلافت وہ منصبِ جلیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو سرفراز فرمایا اور قرناً بعد قرن یہ منصب گزشتہ سے پیوستہ تمام اقوام واُمم میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ اس منصب کے عطاء واِقتضاء میں انسان کو جن صفاتِ حمیدہ سے متصف فرمایا گیا ان میں تخلیق، رزق، قوت، شان و شوکت و عظمت، فضیلت اور علم شامل ہیں۔ ان صفات کے ضمن میں سنۃ اللہ یہی رہی کہ ربّ العزّۃ نے ان کی عطا کو اِبتلاء اور آزمائش سے منسلک رکھا اور اس کے مظاہر کو ثواب اور عتاب کی کسوٹی بنا دیا۔ یعنی جو اللہ کی عطا پر شکر کا رویّہ اپناتا ہے اس کیلئے یہ عطا وسیلہ نجات بن جائے گی جبکہ اس کے برعکس رویہ اختیار کرنے

والے کو عند اللہ معتوب علیہ گردانا جائے گا۔ صاحبِ کشائش کی آزمائش مال ہے اور شکر اس کا مطلوب ہے، جبکہ تنگدست کی آزمائش فقر ہے اور اس سے صبر مطلوب ہے۔ نافرمان کو خوف دلایا گیا جبکہ اطاعت گزاروں کو مغفرت و رحمت کی نوید دی گئی۔ (34)

امام الطبری فرماتے ہیں کہ الخلائف خلیفۃ کی جمع ہے جیسے الوصائف وصیفۃ کی۔ منصبِ خلافت سے متعلق اس آیتِ کریمہ کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ گزشتہ اَدوار میں مختلف اقوام واُمم کی ہلاکت کے بعد تمہیں منصبِ خلافت سے نوازا اور تم نے ان کے بعد بستیاں آباد کیں اور ان کے جانشیں ٹھہرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے احوال کے مابین فرق پیدا کیا۔ اور ان میں سے کچھ کو کچھ پر فوقیت عطا کی۔ یعنی اسبابِ دنیا اور مال و رزق کی عطاء میں ربّ العزّۃ نے تفوق اور برتری سے نوازا اور کمزور و ناتواں کے مدِّ مقابل بعض کی قوت و سلطنت سے تائید فرمائی اور رفعت درجات عطا کیے۔ (35) امام جلال الدین السیوطی (م: 911ھ) بھی درجات میں تفوّق کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ یہ فضل و غنیٰ سے متعلق ہے۔ تاکہ وہ آزمائے ان اُمور میں سے جو تمہیں عطا کیے، غنی اور فقیر، شریف و ضیع اور آزاد و غلام کو۔ وہ لکھتے ہیں:

يعنى فى الفضل و الغنى ﴿ ليبلوكم فيما آتاكم ﴾ يقول ليبتليكم فيما أعطاكم، ليبلوا الغني و الفقير، والشريف و الوضيع، والحر، والعبد. (36)

اس تناظر میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنی تمام مخلوقات کے مدِّ مقابل نوعِ انسانی کی تخلیق کے ساتھ خلافت و نیابت اور امانت کی ادائیگی کو لازم قرار دے دیا ہے۔ اِمام اِبن کثیر نے بھی اس کی تشریح میں یہی نکات بیان کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرناً بعد قرن، جیل بعد جیل اور سلف کے بعد خلف اس عہدہ سے سرفراز رکھا، اور انسانوں کے مابین رزق، اخلاق، محاسن و نقائص، مناظر، صورتوں اور رنگوں میں تفاوت رکھا ہے اور اس میں اللہ کی حکمتیں مضمر ہیں۔ وہ تمہیں عطا کی گئی نعمتوں پر تمہاری فروتنی کے اِظہار اور ان نعمتوں کے ذریعے تمہارا اِمتحان لے کر آزماتا ہے۔ صاحبِ کشائش کی، اُس کو عطا کردہ مال پر اُس کی شکر گزاری کے ذریعے اور صاحبِ فقر کی اُس کی تنگدستی پر اُس کے صبر کے اظہار کے ذریعے آزمائش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نارِ جہنم کے عذاب، قیامت اور اس کی ہولناکیوں کے تذکرہ کی ترہیب اور جنت کے اوصاف اور نعمتوں کے تذکرہ کی ترغیب دلا کر امانۃ و خلافت کے تقاضوں کی تکمیل پر رغبت دلاتا ہے۔ (37)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے میدانِ عمل کھول دیا۔ ان کو مطلق

حریت اور خلافتِ ارضی عطا کردی۔ جو ایک دوسرے کے بعد قائم ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں فقر وغنا، علم وجہالت، تخلیق اور شکل وصورۃ، قوت فکر اور رزق کے اعتبار سے درجات قائم کر دیے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے کا محرک بتلایا گیا۔ اپنی خشیت کا بھی اِحساس کروایا گیا اور اپنی رحمتوں کی امید بھی دلوائی۔ ذاتِ باری تعالیٰ گنہگاروں اور توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت کرنے والی اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والی ہے۔(38)

اِسی سلسلے میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انصاف کے تقاضوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ مسبّبات کو اسباب اور نتائج کو مقدمات کے ساتھ مربوط کرے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کو جنت میں سکونت اختیار کرنے اور حکمِ الٰہی پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ جب آدمؑ سے اس کی مخالفت اور نافرمانی سرزد ہوئی تو ربّ تعالیٰ نے عدل کے تقاضوں کے مطابق مخالفت اور نافرمانی کی سزا کے طور پر جنت سے خروج کا حکم دیا۔ یہ تجربہ دنیا کے ہر مسئلہ کے فیصلے کیلئے رہنمائی کا باعث بنا، کہ اطاعت وموافقت انعام کا موجب ہوتی ہے اور نافرمانی کیلئے سزا لازم ہوئی۔(39)

دینِ قیّم کا اتباع

شرف وتکریمِ انسانیت کے تناظر میں فرد کی ذمہ داریوں میں امانت اور خلافت کی وضاحت کے بعد یہ ضروری ہے کہ دینِ قیّم کے اِتباع کے مفہوم ومعنیٰ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے کیونکہ فرد کی تمام تر صلاح وفلاح دینِ حق کی تعلیمات میں ہی مضمر ہے۔ اللہ عزّ وجلّ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فأقم وجهك للدين القيّم من قبل أن ياتي يوم لا مردّ له من الله يومئذٍ يصّدّعون ﴾(40)

امام البیضاوی نے اس سے مراد 'البلیغ الاستقامۃ' لیا ہے۔(41) اِمام ابن کثیر کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اِطاعت پر اِستقامت اور نیکیوں میں سبقت پر متوجہ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔(42)

دینِ حق کی تعلیمات پر انتہائی درجہ کی اِستقامت اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ علامہ القرطبی، الزجاج کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

أى أقم قصدك، واجعل جهتك إتباع الدّين القيّم، يعني الإسلام، و قيل: ألمعنى أوضح الحق و بالغ في الإعذار، و اشتغل بما أنت فيه و لا تحزن عليهم.(43)

آیتِ مذکورہ بالا کے سیاق وسباق میں جس حقیقت کو منکشف کیا گیا ہے وہ یہ کہ حیاتِ دنیوی میں اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور مواخذہ کے مقرر کردہ قانون کے تقاضوں کو بیّن طور پر لوگوں کے سامنے بیان کردیا جائے۔عمرانیاتی پہلو کے اِعتبار سے انسان کی زندگی فساد اور اِنتشار کی رنگارنگ صورتوں سے بھری ہوئی ہے۔ضرّ رو اِیذا کی مختلف نوعیتیں، اِضطراب اور معصیت کے رویوں کو تحریک دیتی ہیں اور ان سب کا محرک اِبلیسی وشیطانی کاوشیں ہیں جو کفر، ظلم وزیادتی اور کثرتِ ذنوب کے ذریعے امن وسلامتی اور خیر و بھلائی کے تعاملات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔جبکہ شرف وتکریم انسانی کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ کیفیتِ ایمانی کو پختہ ومستحکم کیا جائے۔رسول کریم ﷺ کے قولِ مبارک ''قل امنت باللہ ثم استقم '' (44) کا مقصود و منشاء بھی یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اِطاعت پر اِستقامت اختیار کی جائے۔افعالِ خیر کی طرف رغبت میں شدّت پیدا ہو اور دینِ قیّم یعنی دینِ اسلام کی تمام تعلیمات پر عمل میں اِخلاص کا جذبہ روحِ رواں بن کر ہر لحظہ موجود رہے کہ یہی طرزِ عمل انسان کو ﴿صبغة اللہ و من أحسن من اللہ صبغة ﴾(45) کا مظہر بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔جب صاحبِ ایمان پر اللہ کا رنگ غالب ہوجاتا ہے تو عمرانیاتی حوالے سے مثبت اور مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔جو حیاۃُ الدنیا کے ساتھ ساتھ حیاۃُ الآخرۃ میں بھی اس کی فوز وفلاح اور حقیقی نجات کا باعث بنتے ہیں۔یہ نصاریٰ کی طرح رسم بپتسمہ کی ظاہرداری کا رنگ نہیں جو وہ اپنی نصرانیت کے تحقق کیلئے ایجاد کرچکے تھے۔بلکہ اس دینِ قیّم -دینِ اِسلام- پر اِستقامت اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانے کا مطلب قلبِ اِنسانی کی تطہیر، ہدایتِ الٰہی کی رشد ورہنمائی سے فیض یاب ہونا اور کیفیتِ اِخلاص کو تقویت دینا ہے، جس کی بناء پر ایمان واطاعت صرف اللہ ہی کی ہو، جو کہ خالق و مالک، رب اور تکریم وشرف کا اعزاز عطا کرنے والا ہے اور انہی کیفیات کی وجہ سے عمرانیاتی ترکیب ایسے اصولوں پر اُستوار ہوجاتی ہے جو اس کو فوز ونجاح کی طرف لے جاتی ہے اور تمام ممکنہ خرابیوں، اِثم وعدوان، فسق وفجور اور سیّئات سے محفوظ کردیتی ہے۔

دنیا اور آخرت کا ربط وتوازن

شرف وتکریم انسانیت کا اِعزاز اِس اُمر کا بھی متقاضی ہے کہ صاحبِ ایمان کی حیثیت سے فرد مادیت پرست نہ ہو۔بلکہ تصورِ حیات اور اس کی حقیقت کی شعور وآگہی رکھتا ہو۔حیاۃُ الدنیا اور حیاۃُ الآخرۃ کے ربط و توازن سے زندگی کی معنویت کو سمجھنے والا ہو۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿و اتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیئاً و لایقبل منها شفاعة و لا یؤخذ

منها عدل ولا هم ينصرون﴾(46)

﴿واتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئاً ولا يقبل منها عدل و لا تنفعها شفاعة ولاهم ينصرون﴾(47)

حیاۃِ ارضی کی نوعیت کی وضاحت کیلئے اس سے بہتر پیرایہ کو اختیار کرنا ممکن نہیں۔ حیاۃُ الدنیا دارُالعمل اور حیاۃُ الآخرۃ دارُالجزاء ہے جو بالترتیب فنا اور خلود کی خصوصیات سے متصف ہے۔ صاحبِ ایمان کو خوف دلایا گیا کہ وہ یوم جزا و سزا کی حقیقت کو سمجھے کیونکہ وہ ایسا دن ہے جب کوئی نفس کسی دوسرے نفس کے کام نہ آسکے گا۔ کوئی سفارش مؤثر نہ ہوگی۔ برابر کا بدلہ بھی نہ دیا جاسکے گا اور نہ ہی کوئی مُعین و مددگار کسی قسم کی نصرت و اِعانت بہم پہنچا سکے گا، دونوں آیات میں ایک ہی طرح کا نفسِ مضمون دہرایا گیا ہے اور جزاوسزا کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا ہے۔

ایمان بالآخرۃ اجزائے ایمانیات کا اہم جزو، جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ کے عدل وحکمت کی عکاسی کرتا ہے اور انسان کے لیے بھی بدی سے اجتناب اور نیکی کی تحریک و تشویق کا باعث بنتا ہے۔ یہ حیاتِ دنیوی عمل واختیار اور حسنات میں سبقت لے جانے کے مواقع سے مملو ہے اور اسی کی بنیاد پر اُخروی زندگی میں نجات یا ہلاکت لازم ٹھہرتی ہے۔ آخرت انسان کے اچھے اور برے اَعمال کے حساب اور جزاء کا گھر ہے۔ دارالآخرت میں انسان کو وہی فصل کاٹنی ہے جو حیاۃ الدنیا میں بوئی تھی۔ وہاں نہ تو کوئی اپنے احوال میں کمی بیشی کرنے کے قابل ہوگا اور نہ ہی اَعمال کی اِصلاح پر کسی کو کوئی قدرت حاصل ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی میزان کو حق اور عدل پر قائم کیا ہے۔ پس جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب آگئیں سو وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے اور جس کی برائیاں نیکیوں سے بڑھ گئیں تو وہ خسارہ اور ہلاکت پانے والوں میں سے ہوں گے۔

﴿فأما من ثقلت موازينه ٥ فهو فى عيشة راضية ٥ و أما من خفت موازينه ٥ فا مه هاوية ٥ وماادرک ماهية ٥ نارحامية﴾(48)

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اَعمال کی جزاوسزا کا تذکرہ کرتے ہوئے لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ قیامت کے روز جس کے وزن زیادہ ہوں گے بایں سبب کہ نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں گی تو وہ جنت میں رضا پر مبنی زندگی بسر کریں گے۔ جنت میں وہ زندگی جس میں تمام نعمتیں جمع ہوں گی۔ تمام علماء وفقہا اور محدثین کے مطابق "الموازین" سے مراد قیامت کی میزان ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کے

معاملات واضح کریں گے۔ میزان کا وزن ایمان اور اعمال پر مبنی ہوگا اور اس کا ہلکا ہونا ایمان و اعمال کے معدوم یا قلیل ہونے پر مبنی ہے۔ جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی یا زیادہ نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کا مسکن و ماویٰ جہنم ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں اس کے لیے لفظ 'اُمہ' استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی وہ جس کی طرف پناہ لی جائے جیسا کہ بچہ اپنی ماں کی طرف پناہ لیتا ہے اور اس کو ہاویہ کہا گیا جو ہلاک کرنے والی اور بھڑکتی ہوئی آگ کا مقام ہے۔ رسول کریم ﷺ سے روایت ہے:

" لا أمّ لک " فقال: یا رسول الله ، تدعونی إلی الهدیٰ و تقول: لا أمّ لک ؟ فقال: " إنما أرید ، لا نارلک" ، قال الله تعالیٰ : ﴿ فأمه هاویة ﴾(49)

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" نارکم هذه التی یوقد إبن آدم جزء" من سبعین جزءً ا من حرجهنم، " قالو : والله ! إن کانت لکافیةً ، یا رسول الله! قال:" فإنها فضلت علیها بتسعة و ستین جزءً ا ، کلها مثل حرها"(50)

قرآنِ حکیم میں جزا کے ضمن میں عقوبت کا تذکرہ بڑی شدت سے اسی لیے کیا گیا ہے تاکہ انسان حیاۃ الدنیا اور حیاۃ الآخرۃ کے ربط و توازن کی حقیقت کو سمجھ سکے اور وہ حیاۃ الدنیا کی عارضی مدت کا بہتر استعمال کرتے ہوئے اعمال صالحہ کی صورت میں بہتر توشۂ آخرت جمع کر سکے۔ اس تعلیم کی حکمت یہ بھی ہے کہ فرد کی یہ پرسش جن اُعمال و اُفعال کے حوالے سے مرتب ہوگی وہ حقوق العباد، حقوق النفس اور حقوق اللہ کے علاوہ صالح اعتقادات کی ضرورت کو اُجاگر کرتی ہے۔ یہ تمام حقوق و فرائض عمرانیاتی تناظر میں لوگوں کے باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کرنے کی بناء پر ایک دوسرے کیلئے لازم ہوتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ ان تمام معاشرتی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے ہر اعتبار سے امت کی رہنمائی فرماتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ میں دینی صلاح و فلاح کا پیغام عمرانیاتی تقاضوں کی تکمیل کیلئے رہنمائی کا سامان لیے ہوئے ہے اور انہی میں سے یہ پہلو بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت کے ایک متوازن ربط و تعلق کو اجاگر فرمایا۔ دنیا اِختیار و آزمائش کا مقام ہے۔ یہ بے معنی، فضول اور تماشہ کی جگہ نہیں۔ بلکہ رابطہ کا وہ پل ہے جو مقامِ آخرت کی طرف انسان کی رسائی کو ممکن بناتا ہے۔ جہاں حساب اور جوابدہی ہے۔ مقامِ شرف و تکریم پر فائز ہونے کے ناطے اس ذمہ داری کے تقاضوں کی تکمیل پر نظر رکھنا مسلمان کیلئے فرض اولین ہے۔ تاکہ فوز وفلاح اور نجاۃ کا حصول ممکن ہو سکے۔

ڈاکٹر خالد علوی اسی تناظر میں رقمطراز ہیں کہ خالق نے اپنی مشیت میں افراد کیلئے اِنفرادی طور پر اور قوموں کیلئے اِجتماعی طور پر ایک مہلت رکھی ہے۔ اس مدت میں انہیں عمل کرنے کی کھلی اجازت ہے۔ پھر موت آتی ہے اور وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر آخرت کا نیا نظام ہوگا اور وہاں اس مہلت کے بارے میں پوچھا جائے گا...... انسان ان دو اُمور سے بندھا ہوا ہے۔ اس کی زندگی محدود اور متعیّن ہے اور اس تعلق کو خوشگوار بھی بنایا جاسکتا ہے اور ناخوشگوار بھی۔ اس کی پوری زندگی کا ریکارڈ نئے نظام کے آغاز پر اسے پیش کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

﴿ الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت ط لا ظلم الیوم ط إن اللہ سریع الحساب﴾(51)

﴿ و کل إنسان ألزمنٰہ طٰئرہ فی عنقہ ط و نخرج لہ یوم القیٰمۃ کتٰبا یلقٰہ منشورا o إقرا کتٰبک ط کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا o من اھتدیٰ فإنما یھتدی لنفسہ ج و من ضل فإنما یضل علیھا ط و لاتزر وازرۃ وزر أخریٰ ط و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً﴾(52)

اِطاعت اور بغاوت کا رویہ جس طرح افراد پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح قوموں پر بھی۔ قوموں کی مہلت بھی متعین ہے اور ان کی جزا و سزا کا قانون بھی طے شدہ ہے۔ جس طرح ایک فرد ایک متعین مدت کے بعد مر جاتا ہے اسی طرح قومیں بھی مٹ جاتی ہیں البتہ قوموں کی ہلاکت بعض اوقات بڑی عبرت انگیز ہوتی ہے۔(53)

دنیا کی زندگی جو اختیار اور ابتلاء و آزمائش سے مرکب ہے۔ اس میں انسان کی فلاح اُوامرِ الٰہی کے اِتباع سے ممکن ہے، تاکہ اس کی اطاعت، اس کے اِخلاص و محبت کی بنا پر اس کی فوز و فلاح اور باسعادت حیاۃُ الآخرۃ کی ضمانت بن جائے۔ یہی وہ ذمہ داریاں ہیں جن کی ادائیگی انسان کے شرف و تکریم کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اس کو مقصد حیات کی تکمیل میں سرخرو کر دیتی ہے۔

حوالہ جات

1 الذاریات 51: 20-23
2 التفسیر الوسیط، 3/2500-2501
(3) القیامۃ 75 : 36 (4) النسآء 4 : 36
(5) النسآء 4 : 116
(6) تفسیر البیضاوي :(صنماً أو غیره، أو شیئاً من الإشراک جلیاً أو خفیاً) 2/73
(7) تفسیر البیضاوی 2/97 (8) الجامع لأحکام القرآن 7/364
(9) تفسیر القرآن العظیم 3/577 (10) التفسیر الوسیط، 1/319
(11) العبودیۃ لابن تیمیۃ، 3/1* کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وإذ أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم و أشهدهم على أنفسهم ألستُ بربكم قالوا بلى شهدنا﴾ الاعراف 7 : 172
(12) الروم 30 : 30 (13) تفسیر البیضاوی، 4/206
(14) م، کتاب الجنۃ ونعیمھا، باب الصفات التي، رقم الحدیث: 7207، ص:1241
(15)، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي، رقم الحدیث:1359، ص:217؛
و م، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد، رقم الحدیث:6755، ص:1157
(16) خ، کتاب الایمان، باب سوال جبریل، رقم الحدیث:50، ص:12
(17) الانعام 6 : 162 (18) المجادلۃ 58 : 19
(19) التفسیر الوسیط، 3/2619 (20) التفسیر الوسیط، 3/2619-2620
(21) المائدۃ 5 : 56 (22) التفسیر الوسیط، 1/473
(23) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات [کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، اشاعت ہشتم، 1986ء]ص:140
(24) الطبری، محمد بن جریر، الامام، جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف تفسیر الطبری، [(ضبط و تعلیق محمود لشاکر الحرستانی) بیروت (لبنان): داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولی، 1421ھ/ 2001م] 22/64-65
(25) ایضاً حوالہ مذکور، (26) الاحزاب 33 : 72
(27) تفسیر الطبری، 22/66 (28) تفسیر البیضاوی، 4/240
(29) ایضاً حوالہ مذکور (30) ایضاً حوالہ مذکور

(31) التفسیر الوسیط،2092/3 (32) تفسیر الطبری،67/22

(33) الانعام 6 : 165 (34) الجامع لأحکام القرآن،140-139/4

(35) تفسیر الطبری،135-136/8

(36) السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور [(تقدیم: عبدالرزاق المهدی) بیروت (لبنان):

داراحیاء التراث العربي، 1421ھ/2001م]373/3

(37) تفسیر القرآن العظیم، 268/2 (38) التفسیر الوسیط،634/1

(39) حوالہ ایضا،642/1 (40) الروم 30 : 42

(41) تفسیر البیضاوی،208/4 (42) تفسیر القرآن العظیم،577/3

(43) الجامع لأحکام القرآن ،365/7

(44) م ، کتاب الإیمان، باب جامع أوصاف الإسلام، رقم الحدیث:159، ص:39؛ وحم ، رقم

الحدیث:14990،422-421/4

(45) البقرة2 : 138 (46) البقرة 2 : 48

(47) البقرة 2 : 123

(48) القارعة 101 : 6-11 (49) التفسیر الوسیط،2923/3

(50) م، کتاب الجنة ونعیمها، باب یدخل الجنة اقوام، رقم الحدیث: 7165، ص:1234؛ ''نارکم جزءا

من سبعین جزءا من نار جهنم،'' قیل:

''یارسول اللہ ! ان کانت لکافیة ،قال: فضلت علیهن بتسعة وستین جزاء، کلهن مثل حرها'' خ ،

کتاب بدء الخلق ،باب صفة النار،

رقم الحدیث:3265، ص:544؛'' نار بنی آدم التی یوقدون جزءا من سبعین جزءا من نار جهنم'' فقالوا: یا

رسول اللہ إن کانت لکافیة وقال:

إنها فضلت علیها بتسعة وستین جزءا'' الموطا، کتاب جهنم، باب ماجاء فی صفة جهنم، رقم الحدیث:1 ،

ص:631؛ حم ،

رقم الحدیث:9694، 232/3 ؛ وصحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب صفة النار، رقم الحدیث:

3419،3420، ص:1306

(51) المومن 40 : 17

(52) بنی اسرائیل17 : 13-15

(53) خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص:98-99